مقالات

سید منظور الحسن

حدیث وسنت کی حجیت
مدرسۂ فراہی کے موقف کا تقابلی جائزہ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

[یہ مضمون راقم کے ایم فل علوم اسلامیہ کے تحقیقی مقالے سے ماخوذ ہے۔ ''حدیث وسنت کی حجیت پر مکتب فراہی کے افکار کا تنقیدی جائزہ'' کے زیر عنوان یہ مقالہ جی سی یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ کے تحت ۲۰۱۲ء-۲۰۱۴ء کے تعلیمی سیشن میں مکمل ہوا۔]

حدیث وسنت کی حجیت کے حوالے سے یہ مدرسۂ فراہی کے علما کا فکر وعمل ہے اور اِس کی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ حقیقت کے لحاظ سے اِن کے اور ائمۂ سلف کے موقف میں سر مو کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ابدی طور پر مطاع تسلیم کرتے ہیں، اُسی طرح یہ بھی آپ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کو قیامت تک کے لیے واجب الاطاعت قرار دیتے ہیں، جس طرح اُن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے شارع اور شارح کا مقام حاصل ہے، اُسی طرح اِن کے نزدیک بھی شریعت کا اجرا اور دین کی شرح ووضاحت آپ کا منصبی فریضہ ہے اور جیسے وہ حدیث وسنت کو دین میں حجت کے طور پر قبول کرتے ہیں، ویسے ہی یہ بھی اِنھیں عین دین سمجھتے، اِن کی حجیت کو تسلیم کرتے اور اِن سے انحراف کو ایمان واسلام کے منافی قرار دیتے ہیں۔ درج بالا اقتباسات اِس معاملے میں قطعی شہادت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم، اِس کے باوجود بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ

مکتب فکر اور اِس کے حاملین حدیث وسنت کے انکار کے حوالے سے اُنھی مکاتب اور اُنھی افراد کا تسلسل ہیں کہ جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی اور تشریحی حیثیت کو اصولی لحاظ سے تسلیم کرتے ہیں اور نہ حدیث وسنت کی صورت میں آپ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی حجیت کو ابدی طور پر قبول کرتے ہیں اور جن میں دور اول سے معتزلہ اور خوارج اور دور جدید سے سرسید احمد خان، رشید رضا مصری، مولوی چراغ علی، اسلم جیراج پوری اور غلام احمد پرویز کے نام شامل کیے جاتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے بارے میں اِس موقف کا اظہار بالعموم اہل حدیث علما اور اُن کے زیر اثر بعض دیگر اہل علم کی طرف سے سامنے آیا ہے۔

چنانچہ ایک اہل حدیث عالم مولانا عبد المنان سلفی ''حدیث کی تشریعی اہمیت'' کے زیر عنوان اپنے ایک مضمون میں انکار حدیث کے آغاز کو خوارج، معتزلہ اور جہمیہ سے منسوب کرتے ہیں اور بعض حنفی علما کے ساتھ مدرسۂ فراہی کے اہل علم کو بھی اِس صف میں شامل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''... پھر دوسری صدی ہجری میں خوارج نے اہل بیت کے فضائل سے متعلق اور شیعوں نے صحابہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کا انکار کیا، معتزلہ اور جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں نے ان احادیث کو رد کر دیا جن سے صفات الٰہی کا اثبات ہوتا تھا۔ اور پھر قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے متبعین اور بعض متاخرین فقہاء نے ان روایتوں کو قابل اعتناء نہ سمجھا جو ان کے بقول غیر فقیہ صحابہ سے مروی تھیں پھر پانچویں صدی ہجری میں معتزلہ و متکلمین کے ساتھ بعض متاخرین فقہا کی ایک جماعت نے اصول وفروع دونوں میں خبر آحاد کا انکار کیا اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ چودھویں صدی ہجری میں مولوی چراغ علی اور سرسید احمد خان جیسے لوگ جو مغربی تہذیب سے مرعوب اور احادیث کے فنون سے قطعی ناواقف تھے مجموعہ احادیث کو تاریخ کا ذخیرہ قرار دیا اور نیچر کو معیار بنا کر سینکڑوں صحیح حدیثوں کو قلم زد کر دیا۔ اس کے بعد مولوی عبد اللہ چکڑالوی اور ان کے چیلے غلام احمد پرویز، مولوی احمد دین اور مولانا اسلم جیراجپوری وغیرہ نے بالکلیہ حدیثوں کا انکار کر دیا اس کے بعد علماء کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے احادیث کا صراحتاً انکار نہ کیا، لیکن ان کے انداز تحریر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار کا پہلو ظاہر ہوا اور ان کے طرز گفتگو سے انکار حدیث کے چور دروازے کھل گئے۔ اس جماعت کے سرخیل لوگوں میں برصغیر کے علماء مولانا شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالاعلی مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی اور عرب دنیا کے محمد عبدہ، قاسم امین، محمود ابوریہ، احمد امین، حسین ہیکل، محمد الغزالی، محمد الخضری، حسن ترابی، محمد زاہد کوثری، عبد الفتاح ابوغدہ اور سعید رمضان البوطی وغیرہ ممتاز ہیں، ان حضرات نے درایت، ظن، فقہ راوی اور خبر آحاد وغیرہ کا سہارا لے کر بعض ثابت شدہ حدیثوں میں تشکیک کی کوششیں کی ہیں[59]۔''

www.javedahmadghamidi.com

59 سلفی، عبد المنان، مولانا، علوم الحدیث، مرتب سلفی، رفیق احمد، لاہور، دار الکتب السّلفیہ، ۲۰۱۰ء، ص۹۴۔

اہل حدیث مکتب فکر کے ایک اور عالم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے مکتب فراہی کے تینوں نمایندہ علما کے بارے میں یہ الزام عائد کیا ہے کہ اُن کے افکار کا سفر حدیث کے استخفاف سے شروع ہوتا اور انکار حدیث سے ہوتا ہوا قرآنی مسلمات کے انکار پر منتج ہوتا ہے:

''مولانا اصلاحی صاحب کے تلامذہ میں سے سب سے نمایاں، ممتاز اور قریب جناب جاوید احمد غامدی کو دیکھ لیجیے، جو مولانا اصلاحی کو 'امام' لکھتے ہیں۔ یوں اس گروہ کے امام اول مولانا حمید الدین فراہی، امام ثانی مولانا امین احسن اصلاحی قرار پاتے ہیں اور بمصداق ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، امام ثالث یہی غامدی صاحب ہیں۔ یہ کوئی استہزا نہیں ہے۔ اگر اول الذکر دونوں بزرگ امام ہیں تو تیسرے امام یقیناً غامدی صاحب ہی ہیں۔

بہر حال مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ امام اول (مولانا فراہی) نے حدیث کے استخفاف اور اس سے بے اعتنائی کی جو بنیاد رکھی تھی، دوسرے امام (مولانا اصلاحی) کے رویے نے اسے انکار حدیث تک پہنچا دیا اور انھوں نے رجم کی احادیث اور دیگر بعض صحیح احادیث کو رد اور ''مبادی تدبر حدیث'' کے ذریعے تمام ذخیرہ احادیث کو مشکوک قرار دے دیا اور اب تیسرے امام نے قرآنی مسلمات کا بھی انکار کر دیا ہے۔''[60]

حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنے ایک مضمون میں یہ نقطۂ نظر بھی اختیار کیا ہے کہ غامدی صاحب نے ائمۂ سلف کے موقف کے علی الرغم حدیث اور سنت کی اصطلاحات میں فرق کیا ہے جس کا مقصد حدیث وسنت کے ایک حصے کو غیر معتبر کرنا ہے۔ مزید برآں اُن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقط اعمال مستمرہ کو قابل عمل قرار دینا اور دین کو صرف دین ابراہیمی کی روایت تک محدود کر دینا حدیث کے ایک بڑے ذخیرے کے انکار کے مترادف ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس دور کے جن لوگوں نے حدیث رسول کی تشریعی حیثیت کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اس کے ماخذ شریعت ہونے کو مشکوک ٹھہرانے کی مذموم سعی کر رہے ہیں، انھوں نے حدیث وسنت کے مفہوم میں فرق کیا ہے۔... واقعہ یہ ہے کہ ائمۂ سلف اور محدثین نے سنت اور حدیث کے مفہوم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ وہ سنت اور حدیث، دونوں کو مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سنت سے صرف عادات واطوار مراد لے کر ان کی شرعی حجیت سے انکار بھی غلط ہے اور انکار حدیث کا ایک چور دروازہ۔ یا صرف اعمال مستمرہ کو قابل عمل کہنا یا دین کو صرف دین ابراہیمی کی موہومہ یا مزعومہ روایت تک محدود کر دینا، احادیث کے ایک بہت بڑے ذخیرے کا انکار ہے۔''[61]

... اگر ان کے اور ائمۂ سلف کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے تو وہ واضح کریں کہ انھوں نے بھی حدیث اور سنت

60۔ غازی عزیر، انکار حدیث کا نیا روپ، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۲۰۔

61۔ یوسف، صلاح الدین، حافظ، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، فروری ۲۰۱۵ء، ص ۳۶-۳۷۔

کے درمیان فرق کیا ہے۔ یہ فرق سلف نے کہاں بیان کیا ہے؟ ائمہ سلف میں کس نے کہا ہے کہ ''حدیث سے عقیدہ و عمل کا اثبات نہیں ہوتا؟''... علاوہ ازیں یہ گروہ ''سنت، سنت'' کی بڑی رٹ لگاتا ہے جس سے اس کا مقصود یہ تاثر دینا ہوتا ہے کہ حدیث گو ان کے نزدیک غیر معتبر ہے، لیکن سنت کی ان کے ہاں بڑی اہمیت ہے۔ لیکن اول تو حدیث و سنت میں یہ فرق ہی خانہ ساز ہے۔ کسی امام محدث یا فقیہ نے ایسا نہیں کہا ہے۔ ان کے نزدیک حدیث اور سنت مترادف اور ہم معنی ہے۔ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، عمل اور تقریر سے ثابت ہے وہ دین میں حجت ہے۔ اسے حدیث کہہ لیں یا سنت، ایک ہی بات ہے۔[۶۲]''

پروفیسر مولانا محمد رفیق نے ''جاوید احمد غامدی اور انکار حدیث'' کے زیر عنوان اپنی ایک کتاب میں اُن وجوہات کو درج کیا ہے جو اُن کے تاثر کے مطابق غامدی صاحب پر انکار حدیث کے الزام کو ثابت کرتی ہیں۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے بعض احادیث وسنن کی تاویل میں غامدی صاحب کے منفرد موقف کو بنیاد بنایا ہے۔ اِسی طرح غامدی صاحب کے سنت کے ثبوت کے لیے اجماع وتواتر کی شرط قائم کرنے اور خبر واحد سے عقیدہ وعمل کے ثبوت کو تسلیم نہ کرنے کے موقف کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''...درج ذیل وجوہات کی بنا پر ہمارے نزدیک غامدی صاحب منکر حدیث قرار پاتے ہیں: انھوں نے سنت کا اصطلاحی مفہوم بدل ڈالا ہے۔ وہ نبی کریم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کو سنت نہیں مانتے۔ وہ سنت کے ثبوت کے لیے اجماع وتواتر کی شرط لگاتے ہیں۔ وہ سنت کو ۲۷ اعمال میں محصور سمجھتے ہیں۔ وہ تمام احادیث کو اخبار آحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ حدیث کو دین کا ماخذ تسلیم نہیں کرتے اور اس سے ثابت شدہ کسی عقیدے، عمل یا حکم کو نہیں مانتے۔ وہ مرتد کے لیے سزائے قتل کو نہیں مانتے۔ وہ شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی حد تسلیم نہیں کرتے۔ وہ قتل خطا میں دیت کے مستقل شرعی حکم کو عارضی اور وقتی مانتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ کے نصاب کو منصوص اور مقرر نہیں مانتے، بلکہ ریاست کو یہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ جب چاہے زکوٰۃ کی مقداروں میں کمی بیشی کر دے... یہ ہیں غامدی صاحب کے عقائد ونظریات اور ہمارے نزدیک وہ اپنے انھی عقائد ونظریات کے سبب سے منکرین حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔[۶۳]''

ایک صاحب علم ڈاکٹر محمد امین نے مولانا اصلاحی کے اِس موقف پر تنقید کی ہے کہ سنت عملی تواتر سے منتقل ہوئی ہے۔ اُن کے نزدیک تواتر عملی کا تصور محض ایک نظری بات ہے، کیونکہ سنت تک رسائی کا ذریعہ وہ احادیث ہیں جو

۶۲؎ یوسف، صلاح الدین، حافظ، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، مارچ ۲۰۱۵ء، ص ۳۶-۳۷۔

۶۳؎ محمد رفیق، پروفیسر، جاوید احمد غامدی اور انکار حدیث، مکتبۂ قرآنیات، لاہور، ص ۵۔

اخبار آحاد کے طریقے پر منتقل ہوئی ہیں:

''مولانا اصلاحی نے حدیث وسنت میں فرق کرتے ہوئے یہ جدت پیدا کی ہے کہ سنت کو 'تواتر عملی' سے ثابت شدہ کہہ کر انھوں نے سر پر بٹھا لیا ہے اور احادیث کے سارے ذخیرے کو خبر واحد، ظنی الثبوت اور مجموعۂ رطب و یابس کہہ کر پیچھے پھینک دیا۔ زمینی حقائق یہ ہیں کہ سنت محض 'تواتر عملی' سے ثابت ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا جس چیز کو مولانا سنت کہہ رہے ہیں وہ ایک نظری بات ہے اور نظری لحاظ سے سنت کی حجیت پر ساری امت متفق ہے کہ اس پر تو مدار ایمان ہے کہ خود قرآن کی رو سے حضور کی اطاعت واجب ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما جانے کے بعد آپ کی وہ سنت کہاں ہے جس کی اطاعت کی جائے؟ اس بارے میں جمہور امت کا موقف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے کا ذریعہ وہ صحیح احادیث ہیں جو ثقہ راویوں سے مروی ہیں، اسی لیے وہ انھیں تقدس کا درجہ دیتی ہے، جبکہ منکرین حدیث اور اصلاحی صاحب ایسا نہیں سمجھتے۔ مولانا اصلاحی حدیث کو خبر واحد، ظنی الثبوت اور مجموعۂ رطب و یابس کہہ کر اسے اہمیت نہیں دیتے اور جس سنت کو وہ سر کا تاج اور مثل قرآن کہتے ہیں، وہ عملاً کہیں موجود ہی نہیں۔ مولانا اصلاحی کی اس 'فطانت' کا فائدہ یہ ہے کہ جب ان کے تلامذہ عام مسلمانوں سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ''ہم تو قرآن کے ساتھ سنت کو بھی حجت مانتے ہیں، ہم کوئی منکرین سنت تھوڑی ہیں'، حالانکہ سنت سے ان کی مراد وہ نہیں ہوتی جو جمہور مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ اس طرح یہ لوگ عام مسلمانوں کو ایک غلط تاثر دیتے ہیں۔''[64]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کم و بیش اِسی موقف کا اظہار ایک اور صاحب علم ڈاکٹر حافظ محمد زبیر نے اپنی کتاب ''فکر غامدی - ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ'' میں کیا ہے۔ اُن کے نزدیک جناب جاوید احمد غامدی کے نظریات اہل سنت کے نظریات سے یکسر مختلف ہیں اور اِس ضمن میں بنیادی بات یہ ہے کہ اہل سنت قطعی و ظنی خبر کو سنت کے ثبوت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، جبکہ غامدی صاحب کے مطابق سنت صحابہ کے اجماع اور عملی تواتر سے ثابت ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''... اہل سنت کے نزدیک دین یعنی قرآن وسنت کے ثبوت کا بنیادی ذریعہ قطعی و ظنی خبر ہے، جبکہ غامدی صاحب قرآن وسنت کے ثبوت کا بنیادی ذریعہ اجماع صحابہ اور قولی و عملی تواتر کو قرار دیتے ہیں۔''[65]

مولانا غازی عزیر نے ''انکارِ حدیث کا نیا روپ'' کے زیر عنوان اپنی ایک مفصل تصنیف میں مولانا اصلاحی کی کتاب ''مبادیِ تدبر حدیث'' کو ہدف تنقید بنایا ہے اور بیش تر مقامات پر حدیث وسنت کے فرق، اجماع و تواتر سے

---

۶۴ محمد امین، ڈاکٹر، حافظ، محدث، ماہنامہ، لاہور، اگست ۲۰۰۱ء، ص ۴۱۔

۶۵ حافظ محمد زبیر، ڈاکٹر، فکر غامدی - ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۸۷-۱۸۹۔

سنت کے ثبوت اور اخبار آحاد کی ظنیت کے ساتھ اُن کے اِس موقف کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ لکھتے ہیں:

''جناب اصلاحی صاحب بھی ''صحیح البخاری'' (کتاب الایمان) کی ایک حدیث کا انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ عقائد کی بنیاد لازماً قرآن پر ہونی چاہیے۔ کوئی عقیدہ خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا۔ یہاں خبر واحد کا عقیدہ چونکہ قرآن کے بیانات سے متناقض ہے لہٰذا اس معاملے میں قرآن ہی کے بیان کو حاکم سمجھا جائے گا۔'' لیکن یہ رائے علی الاطلاق مسلم نہیں ہے۔ امام ابن حزم اندلسیؒ نے اپنی معروف کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں، حافظ ابن قیمؒ نے ''مختصر الصواعق المرسلۃ'' میں اور محدث عصر محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الحدیث حجۃ بنفسہ فی العقائد والاحکام'' میں اس منفرد رائے کے رد میں کافی تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کے مغالطات وشبہات کا خوب جائزہ لیا ہے۔''[۶۶]

یہ چند نمایندہ تنقیدات ہیں۔ مدرسۂ فراہی پر حدیث وسنت کی حجیت کے انکار کا الزام اِنھی میں مذکور استدلال پر مبنی ہے۔ اِس ضمن میں جو تنقیدی مضامین ان کے علاوہ لکھے گئے ہیں، اُن میں بھی اسی طرز استدلال کا اعادہ ہے۔ جملہ تنقیدات کے غلط بیانی پر مبنی مندرجات اور غیر محققانہ اور تاثراتی اسالیب سے قطع نظر کر کے اگر اُن سے علمی استدلال کا استخراج کیا جائے تو درج ذیل تین نکات متعین ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ مدرسۂ فراہی کے اہل علم حدیث وسنت کے جملہ مشمولات میں ذرائع انتقال کے فرق کی بنا پر تفریق کے قائل ہیں۔ وہ اجماع وتواتر سے ملنے والے حصے کو قطعی الثبوت اور اخبار آحاد سے ملنے والے حصے کو ظنی الثبوت قرار دیتے ہیں اور اِس بنا پر یہ راے رکھتے ہیں کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ وہ حدیث وسنت کی اصطلاحات اور اِن کے مفہوم ومصداق میں فرق قائم کرتے ہیں۔ مزید براں اُن میں سے بالخصوص غامدی صاحب سنت کو دین ابراہیمی کی نسبت سے اعمال مستمرہ تک محدود کرتے ہیں جس کے نتیجے میں احادیث کا ذخیرہ سنت کے دائرۂ اطلاق سے خارج ہو جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اُنھوں نے درایت، ظن، فقاہتِ راوی اور اِس طرح دیگر اصولوں کو دلیل بنا کر بعض صحیح اور ثابت شدہ روایتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔

یہ وہ دلائل ہیں جنھیں بنیاد بنا کر مدرسۂ فراہی پر حدیث وسنت کی حجیت کے انکار کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ مدرسۂ فراہی کے بارے میں یہ تینوں باتیں فی الجملہ درست ہیں، مگر اِن سے حدیث وسنت کی حجیت

۶۶؎ غازی عزیر، انکار حدیث کا نیا روپ، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۶۶۔

کے انکار کا نتیجہ برآمد کرنا سراسر غلط ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تینوں نکات مدرسۂ فراہی کا امتیاز نہیں ہیں، سلف و خلف کے جلیل القدر علما بھی اصولی لحاظ سے اِنھی نکات کے موید ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اِنھیں دلیل بنا کر فراہی اور اصلاحی و غامدی پر حدیث و سنت کی حجیت کے انکار کا الزام عائد کرتا ہے تو پھر لازم ہے کہ اُسے اِن کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور فقہاے احناف، مالکیہ اور شوافع؛ اور امام بخاری اور امام مسلم سمیت جملہ محدثین؛ اور خطیب بغدادی، ابوبکر سرخسی، ابن عبدالبر، ابواسحاق شاطبی، شاہ ولی اللہ، سید سلیمان ندوی اور ابوالاعلیٰ مودودی جیسے جلیل القدر علماے امت کو بھی شامل کرنا چاہیے، کیونکہ مذکورہ نکات کلی یا جزوی طور پر اِن میں سے ہر ایک کے فکر و عمل پر صادق آتے ہیں۔[67]

[باقی]

۶۷؎ یہاں یہ واضح رہے کہ امت کی علمی روایت میں حدیث و سنت کی حجیت کے انکار کا ذمہ دار اُن لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی اور تشریحی حیثیت کو اصولی لحاظ سے تسلیم نہیں کرتے اور حدیث و سنت کی صورت میں آپ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی حجیت کو ابدی طور پر قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ دورِ جدید کے بعض اہل علم نے اسی موقف کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً مولانا اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں۔ (۱) پیغمبری: یعنی پیغامات الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپؐ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپؐ کی ذات پر ختم ہو گئی۔ (۲) امامت: یعنی امت کا انتظام، اس کو قرآن کے مطابق چلانا۔ اس کی شیرازہ بندی، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور پر ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم کی گئی۔ یہ امامت کبریٰ جو آپؐ کی ذات سے بنی نوعِ انسان کی صلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی قیامت تک مستمر ہے جو آپؐ کے زندہ جانشینوں کے ذریعے سے ہمیشہ رہنی چاہیے۔ قرآن میں اطاعت رسولؐ کے جو احکام ہیں آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ منصب امامت کے لیے ہیں جس میں آپؐ کے آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت ہے اور رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد امامِ وقت یعنی مرکزِ ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے۔ ان کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت تھی (اور یہ اُمت ہمیشہ آپؐ ہی کی اُمت رہے گی۔ کیونکہ آپؐ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپؐ کے بعد آپؐ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت ہو گی۔... الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن دین میں حجت کے طور پر وہ نہیں پیش کی جا سکتی۔ اس کو دین بنا لینے سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ قرآن کریم جو سراسر زندگی ہے، حجاب میں آ گیا ہے۔“ (مقام حدیث ۸۳)